ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی

امام فراہیؒ کا اقتصادی مسلک

دنیائے مغرب میں آج سے ایک صدی قبل کے اقتصادی افکار و نظریات پر نظر ڈالیں تو ہمیں نظر آئے گا کہ عمل اور ردعمل کے نتیجہ میں دو نمایاں معاشی نظام یا مسلک ایک دوسرے پر غالب ہونے کے لیے دست بگریباں ہیں۔ یہ دو نظام سرمایہ داری اور اشتراکیت ہیں۔ بیسویں صدی کے آغاز میں ان علوم کی مشرق میں برآمد پر سماجی و معاشی علوم و مسائل پر سوچنے والے علماء میں سے بہت کم ایسے ملیں گے جنھوں نے ان سے متاثر ہونے کے بجائے ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ان پر تنقید یں کی ہوں، اور کسی مسلک وسط کی طرف رہنمائی کی ہو۔ امام فراہیؒ کے یہاں تفصیلی معاشی بحثیں نہیں ملتیں مگر جو مختصر رائیں انھوں نے ظاہر کی ہیں ان سے ان کے معاشی مسلک کا تعین کیا جا سکتا ہے۔ پیش نظر مختصر تحریر میں سرمایہ داری و اشتراکیت کے منظر و پس منظر کا مختصر تذکرہ کرنے کے بعد مولانا فراہیؒ کے اقتصادی مسلک کا جائزہ لینے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ جائزہ یوں اہمیت کا حامل ہے کہ مولانا کے سیرت نگاروں سے آپ کی زندگی و فکر کا یہ پہلو اوجھل رہا۔ اس سے کچھ اس کا بھی اندازہ ہوگا کہ مغرب سے درآمدہ افکار سے متعلق امام فراہی کا کیا موقف رہا۔

سرمایہ دارانہ نظام اور سود

بے قید ملکیت، اخلاقی اقدار سے لاتعلقی، بے جا استحصال اور اغنیاء و فقراء میں روز افزوں تفاوت سرمایہ دارانہ نظام کے چند اہم مظاہر ہیں، اس نظام کی بار آوری میں سود کو کلیدی حیثیت حاصل ہے۔ پیداوری عمل انجام دینے والا شخص اسی کی اساس پر سرمایہ حاصل کرتا ہے اور اس کو پیداوار کی لاگت میں شامل کر کے عام صارفین سے وصول کرتا ہے۔ اس نظام میں سود

کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ کلاسیکی ماہرینِ معاشیات نے سود کو ایسا خودکار آلہ قرار دیا ہے جو معیشت میں مکمل روزگار کی ضمانت دیتا ہے[۱]۔ اس اجمال کی تفصیل میں جانے کا موقع نہیں لیکن یہ بتانا دلچسپی سے خالی نہیں ہوگا کہ معیشت میں سود کو یہ اثر و رسوخ کس طرح حاصل ہوا۔

قرآن سے پیشتر کی الہامی کتابوں میں بھی سود سے ممانعت وارد ہے، بلکہ یونان کے فلسفیوں نے بھی سود کی مخالفت کی ہے۔ عہدِ وسطیٰ کے وسط تک مسیحی علماء بھی ہر طرح کے سود کے مخالف رہے، صلیبی جنگوں کے بعد جب چرچ کے پاس بے شمار دولت و جاگیریں آگئیں اور تجارت و صنعت میں ترقی شروع ہوئی تو اس وقت یہ بحث چھڑی کہ کیا سود کی ہر شرح اور ہر مقصد کے لیے، لیے گئے سرمایہ پر سود ممنوع ہے یا اس میں کچھ تخصیص ہے؟ عہدِ وسطیٰ کے معاشی افکار کی تاریخ کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیحی علماء میں اس مسئلہ پر بڑی بحثیں رہیں۔ شروع میں ان کا موقف سخت رہا لیکن تجارت و صنعت کے ساتھ مادیت کے فروغ اور خود چرچ کے ساہوکاری میں مبتلا ہونے کی وجہ سے مسیحی علماء نے یہ کہہ کر سپر ڈال دی کہ ممنوع سود وہ ہے جو صرفی قرضوں پر لیا جائے۔ رہا وہ سود جو پیداوری قرضوں پر وصول کیا جائے وہ ممنوع نہیں ہے اسی طرح شرح سود میں بھی فرق کیا گیا کہ سود وہ غلط ہے جس کی شرح بہت بھاری ہو، آسان اور معمولی شرح ممنوع نہیں ہے۔ اول الذکر کو ربا یا یوژری اور ثانی الذکر کو فائدہ یا انٹرسٹ کہا گیا۔ اس فرق نے سودی کاروبار اور بینکنگ کے نظام کو جو تمام تر سود پر مبنی تھا کافی فروغ دیا اور ربع مسکوں کو تقریباً پورے طور پر اپنے تسلط میں لے لیا۔[۲]

یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ یورپ میں اس بحث کے چھڑنے سے چند ایک صدی قبل مسلمانوں میں بھی اس طرح کی سوچ پروان چڑھنے لگی تھی چنانچہ امام فخرالدین رازیؒ (متوفی سنہ ۱۲۱۰ء) نے اپنی تفسیر کبیر میں پیداوری قرضوں پر بھی سود کے ممنوع ہونے کے حق میں کئی دلائل دیے ہیں اور غالباً پہلے مصنف ہیں جنھوں نے اس کا معاشی تجزیہ کیا ہے۔[۳]

موجودہ صدی کے آغاز میں مسلم علماء کا عام رویّہ

انیسویں صدی کے آخر اور بیسویں صدی کے شروع میں تمام مسلم ممالک براہ راست یا بالواسطہ مغرب کے سیاسی، فکری اور معاشی تسلّط کے بے رحم پنجوں میں جکڑے ہوئے نظر آتے ہیں، مغرب کا سرمایہ دارانہ نظام ان پر اس طرح مسلّط ہو گیا کہ اس سے ہٹ کر سوچنے کی ہمّت نہیں رہی چنانچہ اس نظام کے فاسد ترین جزء سود کو جائز قرار دینے کی کوششیں ہونے لگیں۔ اس صورت حال کا نقشہ کھینچتے ہوئے اس موضوع پر ایک فاضل مصنّف یوں رقم طراز ہیں:

> "سیاسی و معاشی تسلّط اور تہذیبی و ذہنی مرعوبیت نے خود مسلمانوں کے درمیان ایسا طبقہ پیدا کر دیا جو اپنے فروتر علمی معیار، غیر تخلیقی ذہانت، کم سوادی اور پست ہمتی کی بنا پر اپنے نظریۂ زندگی، قدروں اور علمی و تہذیبی ورثے کے بارے میں احساس کمتری کا شکار ہے، اور ہر مسئلہ کو مغربی افکار و تہذیب کے معیار پر تولتا ہے، اور جس کے علم و تحقیق اور جدّت پسندی کا منتہائے کمال یہ ہوتا ہے کہ مغرب کے رائج الوقت نظریات اور سکہ بند خیالات کی تائید اسلام کی زبان سے کرا دی جائے، سود کے بارے میں بھی یہی رویہ اس طرح کے لوگوں کا رہا۔ غیر سودی نظام معیشت کے خاکے کی تشکیل اور اس کا برپا کرنا تو بس کا روگ نہ تھا کم ہمتی نے یہ راہ البتہ سجھائی کہ ایک ایسی چیز کو جو بدترین محرمات میں سے ہے تاویل و تعبیر کے ذریعہ جائز قرار دے لیا ہے"۔[۴]

قرونِ وسطیٰ کے دلائل کو یہاں بھی دُہرایا گیا اور یہ دعویٰ کیا گیا کہ تجارتی اور پیداوری قرضے اور ان پر سود کا طریقہ عرب میں رائج نہیں تھا یہ ایک نو پیدا صورت حال ہے۔ اس وقت جو قرضے دیے جاتے تھے وہ ذاتی حوائج اور صرفی مقاصد کے لیے ہوتے تھے ان پر زائد رقم بے شک ربا یا یوژری ہے، باقی خوش حال افراد یا تجار سے جو رقم زائد وصول کی جائے وہ ربا نہیں انٹرسٹ ہے۔ ڈاکٹر فضل الرحمٰن گنوری نے اپنی کتاب "تجارتی سود

تاریخی اور فقہی نقطۂ نظر سے" میں ان دلائل کا بڑی باریکی سے جائزہ لیا ہے اور ان کا کافی وشافی بلکہ کہنا چاہیے دنداں شکن جواب دیا ہے۔[5] موضوع سے دلچسپی رکھنے والے اس کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔

امام فراہیؒ کا موقف

اس زمانہ میں جب اہلِ فہم وقلم ان دلائل کی رو میں بہے جا رہے تھے امام حمید الدین فراہیؒ نے ہر طرح کے سود کی حرمت کو یکساں قرار دیا اور خود قرآن مجید سے اس بات کا ثبوت فراہم کیا کہ اہلِ عرب میں زیادہ تر سودی کاروبار خوش حال و تجارت پیشہ لوگوں کے ساتھ تھا۔ آیت ربا کی تشریح میں آپ نے تحریر کیا ہے:

"وان کان ذوعسرۃ فنظرۃ إلیٰ میسرۃ وان تصدقوا خیر لکم" یلوح من ھٰذہ الکلمات انھم کانوا یأخذون الربا من ذی میسرۃ والقریش کانت تجارا واصحاب الربا فلا اریٰ فرقا بین حالھم وحال ابناء زماننا فی الربا۔ واللہ اعلم

وان کان ذوعسرۃ فنظرۃ الیٰ میسرۃ۔۔۔۔الخ سے یہ بات صاف نکلتی ہے اہل عرب خوش حالوں سے سود لیتے تھے۔ پھر قریش تاجر لوگ تھے اور سودی کاروبار ان میں رائج تھا اس وجہ سے اس معاملہ میں ان کے اور ہمارے حالات کے درمیان کوئی خاص فرق مجھے سود کے بارے میں نظر نہیں آتا۔ واللہ اعلم[6]

خوش حال لوگوں کو قرضہ دیے جانے اور اس پر سود کمانے کا قرآن سے ثبوت ایک ایسا نکتہ ہے جو مجھے اپنے علم کی حد تک کسی اور کے یہاں نظر نہیں آیا۔ یہ چیز آپ کی قرآن فہمی کی خداداد صلاحیت کی طرف بھی اشارہ کرتی ہے۔ اس نکتہ کی مزید وضاحت کرتے ہوئے آپ کے شاگرد رشید مولانا امین احسن اصلاحی اپنی تفسیر "تدبر قرآن" میں رقم طراز ہیں:

"اس زمانہ میں بعض کم سواد یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ عرب میں زمانۂ نزول سے پہلے جو سود رائج تھا یہ صرف مہاجنی تھا، غریب و نادار لوگ اپنی ناگزیر

ضروریات زندگی حاصل کرنے کے لیے مہاجنوں سے قرض لینے پر مجبور ہوتے تھے اور یہ مہاجن ان مظلوموں سے بھاری بھاری سود وصول کرتے تھے۔ اسی سود کو قرآن نے ربا قرار دیا ہے، اور اسی کو یہاں حرام ٹھہرایا ہے،[7] یہ تجارتی کاروباری قرضے جن کا اس زمانہ میں رواج ہے تو ان کا اس زمانہ میں نہ دستور تھا نہ ان کی حرمت وکراہت سے قرآن نے کوئی بحث کی ہے، ان لوگوں کا نہایت واضح جواب خود اس آیت کے اندر ہی موجود ہے۔ جب قرآن یہ حکم دیتا ہے کہ اگر قرضدار تنگ دست (ذوعسرۃ) ہو تو اس کو کشادگی (میسرۃ) حاصل ہونے تک مہلت دو تو اس آیت نے گویا پکار کر یہ خبر دے دی کہ اس زمانہ میں قرض لینے والے امیر اور مالدار لوگ بھی ہوتے تھے بلکہ یہاں اگر اسلوب بیان کا صحیح صحیح حق ادا کیجیے تو یہ بات نکلتی ہے کہ قرض لین دین کی معاملت زیادہ تر مالداروں ہی میں ہوتی تھی البتہ امکان اس کا بھی تھا کہ کوئی قرض دار تنگ حالی میں مبتلا ہو کہ اس کے لیے مہاجن کی اصل رقم کی واپسی بھی ناممکن ہو رہی ہو تو اس کے متعلق یہ ہدایت ہوئی کہ مہاجن اس کو اس کی مالی حالت سنبھلنے تک مہلت دے اور اگر اصل بھی معاف کر دے تو یہ بہتر ہے۔ اس معنی کا اشارہ الفاظ کے آیت سے نکلتا ہے اس لیے کہ فرمایا ہے کہ "ان کان ذوعسرۃ فنظرۃ الیٰ میسرۃ" (اگر قرضدار تنگ حال ہے تو اس کو کشادگی حاصل ہونے تک مہلت دی جائے)۔ عربی زبان میں 'اِن' کا استعمال عام اور عادی حالات کے لیے نہیں ہوتا۔ بلکہ عموماً نادر اور شاذ حالات کے بیان کے لیے ہوتا ہے۔ عام حالات کے بیان کے لیے عربی میں 'اِذا' ہے۔ اس روشنی میں غور کیجیے تو آیت کے الفاظ سے یہ بات صاف نکلتی ہے کہ اس زمانہ میں عام طور پر قرض دار ذومیسرہ (خوش حال) ہوتے تھے لیکن گاہ گاہ ایسی صورت بھی پیدا ہو جاتی تھی کہ قرضدار غریب ہو یا قرض لینے کے بعد غریب ہو گیا ہو تو اس کے ساتھ اس

رعایت کی ہدایت فرمائی "[۷]

سرمایہ دارانہ نظام کے رکن رکین سود سے متعلق امام فراہیؒ کے مسلک کی وضاحت کے بعد آئیے اب ہم اس دور کے دوسرے اہم معاشی نظام سے متعلق آپ کی رائے معلوم کرتے ہیں۔

تاریخ کی مادی یا اقتصادی تفسیر پر امام فراہیؒ کی تنقید

بہت سے اشتراکی مصنفین نے جن میں مارکس کا نام سب سے نمایاں ہے معاشرہ کے مختلف مراحل کے ارتقاء سے بحث کی ہے۔ ان کے خیال میں انسانی تاریخ کے مختلف ادوار میں جو معاشرتی عروج وزوال پایا گیا ہے اس کے پیچھے ہمیشہ معاشی عوامل کارفرما رہے ہیں۔ پیداوار اور مبادلہ کے ذرائع ومناہج اور معاشی مفادات کی کشمکش ہی تاریخ میں اہم کردار ادا کرتے رہے ہیں' اور یہی سماجی ڈھانچہ اور طبقاتی مفادات کو تشکیل دیتے رہے ہیں[۸]۔

مارکس اور اشتراکی مصنفین کے متذکرہ صدر نظریہ کو تاریخ کی مادی یا معاشی تفسیر کا نام دیا جاتا ہے۔ امام فراہیؒ اس مارکسی نظریہ کی قرآن کی روشنی میں پُرزور تردید کرتے ہوئے اپنی کتاب" فی ملکوت اللہ میں تحریر فرماتے ہیں:

"تاریخ میں واقعات دراصل اخلاقی عوامل کے مطابق مرتب ہوتے ہیں۔ یہ عالم اللہ تعالیٰ کے قبضہ وتصرف میں ہے۔ آسمانی کتابیں (جن میں اس حقیقت کو وانشگاف کیا گیا ہے) تاریخ کی ساری کتابوں سے مختلف ہوتی ہیں۔ کسی قوم کی تعمیر وترقی یا شکست وریخت اس کے اخلاق کے مطابق ہوتی ہے ...... سورۂ اعراف میں عذاب کے اسباب میں شرک، فساد فی الارض، فواحش اور حرص وطمع کا تذکرہ ہے۔ کسی قوم پر عذاب اتمام حجت اور کافی مہلت کے بعد آتا ہے۔ پھر ایسے لوگ اچانک پکڑ میں آجاتے ہیں ..... جب کہ ایمان وتقوی کے نتیجہ میں برکات کا ظہور ہوتا ہے"۔[۹]

امام فراہی علیہ الرحمہ کے ان مختصر ملاحظات پر قرآن کے نظریۂ تاریخ کو بخوبی مرتب کیا جاسکتا ہے۔

اشتراکیت کے پُرفریب نظریات

صنعتی انقلاب اور سرمایہ داری کے ارتقاء کے نتیجہ میں دولت وثروت کے تفاوت میں اضافہ ہوا، بے کاری بڑھی، محنت پیشہ لوگوں کا استحصال شروع ہوا، گندی بستیاں، گنجان آبادیاں اور طرح طرح کی بیماریاں نمودار ہوئیں۔ ان سب کے ردعمل کے طور پر سماجی علوم کے مختلف مفکّرین نے اشتراکیت کے نظریہ کو فروغ دیا کہ نجی ملکیت کا خاتمہ ہو' ذرائع پیداوار حکومت کے قبضہ میں ہوں اور حکومت کی معرفت معاشی ثمرات سے تمام لوگ برابر متمتع ومستفید ہوں۔ اس نظریہ کو مارکس (متوفی ۱۸۸۶ء) نے منطقی دلائل سے نقطۂ عروج کو پہنچایا۔ اس کے خیالات سے متاثر جماعت ۱۹۱۷ء میں بڑی عیاری سے اس نظریہ پر مبنی حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہوگئی۔ اس نظریہ کی حقیقت کیا تھی اور معاشی مسئلہ کو حل کرنے میں یہ کس قدر ناکام رہا اس کا اندازہ آج کرنا کچھ مشکل نہیں، جب کہ روسی حکومت کا شیرازہ ایک ایک کرکے بکھر رہا ہے۔ غیر فطری مساوات اور ظالمانہ اشتراک نے معاشی سرگرمیوں کو ایسا کند کیا کہ یہ نظام اپنی پوری تاریخ میں مغرب کے سرمایہ دار ممالک کا بھکاری بن کر رہا۔ اور اب اس کی تلافی کے لیے اس نے نجی ملکیت کی قیود میں ڈھیل دینی شروع کردی ہے اور بازار پر مبنی معاشی نظام (MARKET SYSTEM) کو اپنانے جارہا ہے۔ لیکن آج سے ستّر سال قبل جب یہ نظام قائم ہوا تو اس کے دلفریب نعروں اور پُرفریب دعووں نے بہتوں کو مسحور کرلیا، اور انھوں نے یہ نہیں محسوس کیا کہ جبر واستبداد کے آہنی پردوں کے پیچھے کیا ہورہا ہے۔

اشتراکیت سے متعلق علاّمہ فراہیؒ کی رائے

اس نظام سے متعلق بھی ہدایت وبصیرت امام فراہیؒ نے قرآن مجید سے حاصل کی ہے۔ آپ کی کتاب "فی ملکوت اللہ" میں ہمیں درج ذیل رائے ملتی ہے:

الاشتراکیۃ حسنہا بعض الحکماء   بعض یونانی حکماء (مثلاً اسپارٹا کا قانون ساز
مثل لائی کرگس مقنن اسبارطہ   لائی کرگس (LYCURGUS)[۱۰] اور

وفلاطن ووضعها على امة
ولكنها لم تبق لاختلاف
الاستعدادات وهي الآن
ايضا يدعوا اليها بعض
الدعاة ويتهالك عليها
العامة ولكنها ممقوتة
عند الامراء والاغنياء
فصارت مثارا للتخالف
والتشاكس في الامة واشرأب
منها فتنة لا تكاد تطفأ
نطاها۔ قال الله تعالىٰ
أهم يقسمون رحمة
ربك نحن قسمنا بينهم
معيشتهم في الحياة
الدنيا ورفعنا بعضهم
فوق بعض درجات
ليتخذ بعضهم بعضا
سخريا ورحمة ربك
خير مما يجمعون ٥
(۴۳ : ۳۲)

افلاطون (۳۴۷ قبل مسیح) نے اشتراکیت
کی تعریف کی ہے بلکہ ایک قوم پر اس
کا تجربہ بھی کیا لیکن صلاحیتوں کے اختلاف
کی وجہ سے یہ چل نہ سکی۔ آج بھی اس
کی طرف کچھ لوگ دعوت دے رہے ہیں
اور عوام کالانعام اس پر ٹوٹے پڑ رہے
ہیں، لیکن امراء و اغنیاء کو اس سے سخت
نفرت ہے جس کی وجہ سے طبقاتی کشمکش
اور افتراق پیدا ہو گیا ہے اور اس
سے ایک ایسا فتنہ جنم لے رہا ہے جس
کی آتش سوزاں سرد ہونے کا نام نہیں
لیتی۔ سچ ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد:
"کیا یہ لوگ تیرے رب کی رحمت کو
بانٹنا چاہتے ہیں جب کہ ان کی اس
دنیوی زندگی میں ہم نے ان کی معیشت
بانٹ رکھی ہے اور ان میں سے بعض
کو بعض کے اوپر اونچا کر رکھا ہے تاکہ
ان کے بعض، بعض کو تابع بنا کر رکھیں تمہارے
رب کی رحمت تو اس سے کہیں بہتر چیز
ہے جو یہ جمع کر رہے ہیں۔

اس مختصر سے بیان میں علامہ نے کیمونزم پر جو بے لاگ تبصرہ کیا ہے وہ بڑی بڑی تحریروں پر بھاری ہے۔ آپ کی رائے میں دور جدید کا کیمونزم قدیم یونانیوں کا ایک چبایا ہوا لقمہ ہے۔ یہ تجربہ ایک بار ناکام ہو چکا ہے اور تاریخ پھر اپنے کو دہرانے والی ہے یہ نظام

غیر فطری ہے، چونکہ لوگوں کی صلاحیتیں یکساں نہیں ہیں، اس لیے ان کے ساتھ یکساں سپاٹ میکانکی سلوک بھی نہیں ہو سکتا۔

اشتراکیت کے بعض دھڑوں نے انارکی یا فوضی کی راہ کو اپنے لیے راہ نجات سمجھا اور ان ظریفوں نے اس کو باقاعدہ ایک نظام حیات کے طور پر پیش کرنا شروع کر دیا۔ ان میں پیئر جوزف پرعادون (۱۸۶۵ - ۱۸۰۹) اور میخائیل باکونین (متوفی ۱۸۷۶) قابل ذکر ہیں۔ ان کے مطابق حکومت ہی ساری برائیوں کی جڑ ہے۔ اس لیے اپنے سارے معاملات انفرادی طور پر حل کیے جائیں اور کوئی مرکزی حکومت نہ ہو[12]۔ علامہ فراہیؒ نے اس نظریہ کو بھی تاریخ اور قرآنی آیات کی روشنی میں گمراہ کن قرار دیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

الفوضى كانت ممقوتة عند
العرب ويعدونها من
إمارة الحمق ولكن الآن
قامت لها الدعاة في المغرب
واستغووا بها العامة وهي
كاختها مثار للفتن و
هدم للنظام الانسانى
قال تعالىٰ: اطيعوا الله
واطيعوا الرسول واولى الأمر
منكم (۴: ۵۹)، ثم قال
تعالىٰ: "وأمرهم شورىٰ
بينهم۔ (۴۲ : ۳۸)[13]

انارکی عربوں کے یہاں سخت ناپسندیدہ
تھی اور اس کو وہ حماقت کی علامت
قرار دیتے تھے لیکن آج مغرب میں
اس کے مبلغین اٹھ کھڑے ہوئے ہیں
اور عامۃ الناس کو گمراہ کر رہے ہیں۔
حالانکہ یہ اپنی ہم جنس کی طرح ہی فتنہ انگیز
اور انسانی نظام کو ملیامیٹ کرنے والی
ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "اللہ
کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت
کرو اور اپنے میں سے صاحب امر لوگوں
کی" — ایک اور جگہ ارشاد ہے: "ان
کا معاملہ باہم مشورہ سے طے ہوتا ہے"۔

اشتراکیت کا ایک اہم اصول یہ ہے کہ مقصد و غایت اصل ہے خواہ وہ کسی ذریعہ سے حاصل ہو۔ دوسرے لفظوں میں یہ نظام انسانی قدروں کی پروا نہیں کرتا اگر وہ اس کے مقاصد کی راہ میں رکاوٹ ہوں۔ علامہ فراہیؒ نے اس کا سختی سے انکار کیا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں: فلیس

الامرکمازعم الظالمون ان حسن الغایة محسن الذریعة السیئة۔[۱۴] (بات وہ نہیں ہے جو ظالم لوگوں نے سمجھ رکھا ہے کہ مقصد کی اچھائی نامحمود ذریعہ کو محمود بنا دیتی ہے) مقصود اچھا ہو تو بھی اس کے حصول کے لیے نامحمود ذریعہ محمود نہیں بن سکتا۔ سرمایہ دارانہ نظام جو کہ انسانی اقدار کے سلسلہ میں بے پرواہے اور اشتراکی نظام جو کہ بعض حالات میں اخلاقی قدروں کو پامال کر دینے کی دعوت دیتا ہے اور دونوں کے برخلاف علامہ فراہیؒ نے اقدار پر مبنی نظام معیشت کی حمایت کی ہے۔

خاتمۂ کلام

اس طرح جہاں ایک طرف امام فراہی نے سرمایہ دارانہ نظام کے لہو فاسد' ہر طرح کے سود پر ضرب کاری لگا کر اسے قرآنی نظام صدقات کی ضد اور فساد فی الارض قرار دیا۔[۱۵] وہیں اشتراکیت کو قرآنی نظام تقسیم اور تسخیر و تعاون پر مبنی انسانی فطرت سے بغاوت سمجھا۔ ان دو باہم متحارب و متغالب نظامہائے معیشت کو رد کرنے کے بعد آپ کی تحریروں سے آپ کا اقتصادی مسلک جو سامنے آتا ہے اسے قرآنی اقتصادی نظام کہنا زیادہ مناسب رہے گا۔ جس میں سود کی جگہ صدقات و انفاق کی تائید کی گئی ہے۔[۱۶] اس نظام میں ملکیت ایک امانت ہے جس کا مالک حقیقی ایک دن حساب لے گا۔[۱۷] نعمت و ثروت اللہ تعالیٰ نے امتحان کے لیے دیا ہے کہ بندہ شکر کرتا ہے یا کفر۔ کسی نعمت کو اپنے علم اور جدوجہد کا ثمرہ سمجھنے کی وجہ سے ظلم و تعدّی کا رجحان پیدا ہوتا ہے[۱۸] اور ملک و مال پر غرور کے نتیجہ میں استعلاء اور فساد فی الارض پیدا ہوتا ہے[۱۹] تفاوت حالات و درجات اس مقصد سے ہے کہ نوع انسانی ایک دوسرے کے ساتھ تعاون و تناصر سے کام لے۔ اصل کامیابی و کامرانی آخرت کی ہے جو متقین و محسنین کے لیے مقدر ہے۔[۲۰]

جیسا کہ آغازِ کلام میں عرض کیا، علامہ فراہیؒ نہ تو ماہر معاشیات تھے اور نہ ہی انھوں نے معاشی موضوعات پر قلم اٹھایا لیکن مطالعۂ قرآن کے دوران آپ نے معاشی نکات پر جو جستہ جستہ فقرات لکھ دیے ہیں انھیں دیکھتے ہوئے خیال ہوتا ہے کہ اگر آپ اس طرف توجہ فرماتے تو اس وقت

ہمارے سامنے قرآنی معاشیات کا ایک بہترین مرقع موجود ہوتا۔

وفوق کل ذی علم علیم۔

حواشی

۱۔ شپیرو، اڈورڈ، میکرو اکنامکس انلیسس

SHAPIRO , E. ' MACROECONOMIC ANALYSIS ' 5th ed. NEWYORK
HARCOURT BRACE JOVANRICH, 1990 p.p. 163 - 68

۲۔ اس بحث کی بعض تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو،

ISLAHI, ABDUL AZIM. ' ECONOMIC CONCEPTS OF IBN TAIMIYA
LEICESTER ISLAMIC FOUNDATION, 1988 p.p. 123 - 26

۳۔ الرازی، فخر الدین، التفسیر الکبیر، قاہرہ المطبعۃ البہیۃ المصریہ ۱۹۳۸ء، جلد ۵ ص ۹۲

۴۔ فضل الرحمٰن (گنوری)، تجارتی سود تاریخی اور فقہی نقطۂ نظر سے۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی ۱۹۶۷ء ازپیش لفظ ص ۱۔

۵۔ فضل الرحمٰن (گنوری) حوالہ بالا

۶۔ فراہی، حمید الدین۔ مخطوط تفسیری حواشی سورہ بقرہ آیت۔

اصلاحی، امین احسن۔ تدبر قرآن جلد اول، لاہور، فاران فاونڈیشن ۱۹۸۵ء ص ۶۲۹

۷۔ اصلاحی، امین احسن۔ تدبر قرآن حوالہ بالا، ص ۶۳۸-۶۳۹

۸۔ ' HISTORY OF ECONOMIC THOUGHT
HANEY, LEWIS H.,
NEWYORK, MACMILLAN, 1921 p.443

۹۔ فراہی، حمید الدین۔ فی ملکوت اللہ، سرائے میر، الدائرۃ الحمیدیۃ ۱۳۹۱ھ، طبع اول ص ۱۹

۱۰۔ جہانیاں جہاں گشت لائی کرگس کا زمانہ ۹۰۰ سے ۷۰۰ قبل مسیح کا بتایا جاتا ہے۔ اس نے اسپارٹا کی حکومت کے دستور و قوانین کو مرتب کیا اور سماجی ڈھانچہ کی تعمیر نو کی۔

۱۱۔ فراہی، حمید الدین۔ فی ملکوت اللہ، سرائے میر، الدائرۃ الحمیدیۃ ۱۳۹۱ھ، ص ۶۴ من افاداتہ۔

[12] OSER, JACOB. ' THE EVOLUTION OF ECONOMIC THOUGHT
NEWYORK, H.B. & WORLD INC. 1971 p.p. 133 - 34

[13] فراہی، حمیدالدین۔ فی ملکوت اللہ حوالہ سابق

[14] فراہی، تفسیری حواشی۔ برآیات ۷۰-۷۶ سورۃ البقرہ (مخطوط)

[15] فراہی، حوالہ بالا حاشیہ۔ برآیت ۲۷۵ " "

[16] ایضاً حاشیہ برآیت ۷۷ سورۃ القصص "

[17] ایضاً حاشیہ برآیت ۵۲ سورۃ الزمر "

[18] ایضاً حاشیہ برآیات ۳۱-۳۵ سورۃ الزخرف "

[19] ایضاً حاشیہ برآیت ۸۳ سورۃ القصص "

[20] ایضاً درباره عمود سورۃ القصص "